DARYAFT: ISSN (E): 2616-6038, ISSN (P): 1814-2885
Volume 15, Issue 01,(June 2023): DOI #

ڈاکٹر محمد عامر اقبال
اسسٹنٹ پروفیسر، شعبہ اردو، یونیورسٹی آف سیالکوٹ،
ماریہ بلال
لیکچرار، شعبہ اردو، یونیورسٹی آف سیالکوٹ

اقبال کی فکری سرگزشت: تحقیقی مطالعہ

Dr. Muhammad Amir Iqbal
Assistant Professor, Urdu Department, University of Sialkot
Maria Bilal
Lecturer, Urdu Department, University of Sialkot

Iqbal's Intellectual History: A Research Study

ABSTRACT

Iqbal's intellectual history is full of various qualities. It is difficult to identify the location of Iqbal's thoughts and poems or their sources. What are the main characteristics of Iqbal's mind and thought? What was Iqbal's thinking style? How did Iqbal's mind and thought set evolutionary goals? What was Iqbal's point of view regarding thought and philosophy? And with which chain of thought was his special relationship? The critics of Iqbal believe that he got Faizan E Nazar from the East, while there is another group that says that Iqbal's ideas are derived from the West. While some people say that Iqbal's thought and vision was not the East or the West, but his own creation. It may be misleading to conclude by presenting the views of a few critics. This article highlights various aspects of Iqbal's history.

Keywords: *Iqbal, Thoughts, Philosophy, History, culture,*

اقبال صرف شاعر نہ تھے۔ بلکہ ان کا ذہن و نظر بھی مفکرانہ تھا۔ وہ اپنے خیالات پر بھی تدبر و فکر کی نظر ڈالتے تھے اور دوسرے مفکرین کے افکار و آرا پر بھی تنقید و تحسین کے انداز میں غور فکر کرتے تھے۔ اس غور و فکر میں وہ اپنے تصورات کا جائزہ لیتے۔ اقبال نے تفصیل سے اس امر کی وضاحت کی ہے کہ کائنات کے ساتھ ساتھ انسانی

Received: 13th Feb, 2023 | Accepted: 10th June, 2023 | Available Online: 30th June, 2023
DARYAFT, Department of Urdu Language & Literature, NUML, Islamabad.
This work *is licensed under a* **Creative Commons Attribution-NonCommercial 4.0 International License (CC BY-NC 4.0)**

فکر بھی جامد و ساکت نہیں ہے بلکہ لمحہ بہ لمحہ خیالات میں تبدیلیاں ہو سکتی ہیں اس تبدیلی کا حوالہ اقبال نے تشکیلِ جدید الہیاتِ اسلامیہ میں بھی دیا ہے۔

> ''بایں ہمہ یاد رکھنا چاہیے کہ فلسفیانہ غور و فکر میں قطعیت کوئی چیز نہیں۔ جیسے جیسے جہاں علم میں ہمارا قدم آگے بڑھتا ہے اور فکر کے لیے نئے نئے راستے کھل جاتے ہیں، کتنے ہی اور، اور شاید ان نظریوں سے جو ان خطبات میں پیش کیے گئے ہیں، زیادہ بہتر نظریے ہمارے سامنے آتے جائیں گے۔ ہمارا فرض بہر حال یہ ہے کہ فکرِ انسانی کے نشو نما پر بااحتیاط نظر رکھیں۔ اور اس باب میں آزادی کے ساتھ نقد و تنقید سے کام لیتے رہیں'' (۱)

اس بات کو مدِ نظر رکھتے ہوئے کلامِ اقبال کا جائزہ لیں تو ہم اس نتیجے پر پہنچے بغیر نہیں رہ سکتے کہ اقبال کے ذہن میں افکار کا طلاطم موجود تھا مگر فکر کے احساس کو انہوں نے چھپالیا تھا۔ اس کا صحیح طور پر اظہار نہ کر پائے اور خطوط میں اس کمی کا شدت سے اظہار بھی پایا جاتا ہے۔ مگر اس کے باوجود واضح ہے کہ فکر اقبال لمحہ بہ لمحہ رواں دواں نظر آتی ہے۔ مطالعہ اقبال سے شغف رکھنے والے قاری ان ارتقائی منازل سے بخوبی آگاہ بھی ہیں۔ ان منازل کی رفتار سے اختلاف تو کیا جاسکتا ہے مگر ان سے انکار کسی بھی طرح ممکن نہیں۔ اقبال کو زندگی میں نہ تو حالات پُر سکون میسر آئے اور نہ ہی زندگی نے زیادہ مہلت تھی۔ اضطراب، بے چینی اور کسک نے چین سے رہنے نہ دیا۔ یہ دکھ رہا کہ کام کرنا چاہتا ہوں وہ نہ کر سکا۔ عاشق حسین بٹالوی کہتے ہیں کہ آخری عمر میں تو یہ احساس شدت پکڑ گیا۔ اپنی تصنیف "اقبال کے آخری دو سال" کے مقدمہ طبع اول میں لکھتے ہیں۔

> ''اقبال کے دل میں ہمیشہ یہ کسک رہی کہ جو کام اسے کرنا چاہیے تھا، وہ نہیں کر سکا۔ اور آخری عمر میں تو یہ احساس بہت قوی ہو گیا تھا۔ کلامِ اقبال کا ایک ذہین طالب علم، اقبال کی شاعری میں جگہ جگہ یہ کسک محسوس کرتا ہے جو بعض اوقات نغمہ و آہنگ کے پردوں کو چیر کر نالہ دل دوز کی صورت اختیار کر گئی ہے''(۲)

اگر اقبال کے شعر و فلسفہ کو صحیح طور پر نہ سمجھا جائے تو غلط فہمیاں قائم رہتی ہیں۔ فلسفہ و شعر کے باہمی امتزاج کی درست تعبیر پیش کرنے کے لیے بہت ہی ذمہ داری اور دیانت داری کی ضرورت ہے۔ اقبال کے سلسلے میں یہ ذمہ داری مزید اہم ہو جاتی ہے۔ کیوں کہ اقبال کے یہاں بہت سے وسیع اور متنوع موضوعات پائے جاتے ہیں۔ جب ہم اقبال کے فکر و ذہن کا مطالعہ کرتے ہیں تو چند حقیقتیں سامنے آتی ہیں اور یہ حقائق مطالعہ اقبال کے سلسلے میں بنیادی طور پر دور رس نتائج کے حامل ہیں۔ ان کا تعلق مفروضات سے نہیں بلکہ حقائق سے ہے۔ فلسفے کے طالب

علم کی حیثیت سے اقبال کی نظر میں فکر و فلسفہ کی پوری تاریخ ہے۔ اس تاریخ نے کتنے موڑ لیے ہیں اور کتنے دھارے بدلے ہیں۔ اقبال کو اس کا اندازہ تھا۔ وہ اس حقیقت کو بھی تسلیم کرتے تھے کہ تاریخِ فلسفہ میں قطعیت کوئی چیز نہیں ہے۔ آپ ماضی کی شان دار روایات کا سہارا لیتے تھے اور ہر زمانے میں فکر و نظر کا نیا محل تعمیر کرتے تھے۔

اقبال کے نزدیک جمود اور سکوت ہلاکت اور تباہی کا موجب تھا۔ ماضی کے فکر و نظر حال میں کالعدم بھی ہوتے رہتے ہیں۔ اس کا مطلب یہ نہیں کہ انسان کے افکار میں تبدیلی رونما ہو جائے بلکہ اسے ارتقاء کا نام دے سکتے ہیں جو وقت کے ساتھ ساتھ رونما ہوتا رہتا ہے اور انسان آگے کی طرف رواں دواں رہتا ہے۔ اقبال نے اپنے خطبات کے تمام مباحث کو فلسفیانہ قرار دیا اور کہا تھا کہ فلسفہ ایک متحرک چیز ہے۔ اقبال کے خطبات تشکیلِ جدید الٰہیاتِ اسلامیہ کا مطالعہ کریں تو اس کے دیباچے میں ان فلسفیانہ موضوعات پر گفتگو سے پہلے لکھا تھا کہ فلسفہ میں کوئی چیز قطعی اور آخری قرار نہیں دی جا سکتی۔ فلسفہ ایک متحرک چیز ہے۔ اقبال نے ایک قوم کو ہی نہیں بلکہ قوم کے ایک خاص طبقے کو مخاطب کیا۔ یہ طبقہ نوجوانوں کا ہے۔ اس کی سب سے بڑی وجہ یہ تھی کہ نوجوانوں میں سب سے زیادہ قوتِ عمل ہوتی ہے اور انقلاب برپا کرنے کے لیے قوتِ عمل کا ہونا بے حد ضروری ہے۔ فکر و عمل کا کوئی بھی دستور اور کوئی بھی پیغام موثر نہیں ہو سکتا جب تک اس میں قوتِ عمل کی تاثیر نہ پائی جاتی ہو۔ اقبال نے خاص وجوہات کی بنا پر نوجوان نسل سے خطاب کیا اور انقلاب کے لیے بیدار کیا۔ ایک پژمردہ اور زوال پذیر معاشرے کے نوجوانوں کو بیدار کرنا آسان کام نہ تھا جو اقبال نے کر دکھایا۔

اقبال خود بھی اپنے دل و دماغ کی سرگزشت لکھنا چاہتے تھے ان کا خیال تھا کہ یہ سرگزشت ان کے کلام پر روشنی ڈالنے کے لیے بہت ضروری ہے۔ اقبال یہ بھی خیال کرتے تھے کہ اس سرگزشت سے لوگوں کو بہت فائدہ پہنچے گا۔ ناقدینِ اقبال اب تک یہ فیصلہ نہ کر سکے کہ اقبال شاعر ہیں یا مفکر۔ ایک گروہ اقبال کو شاعر کہتا ہے اور دوسرا گروہ اقبال کو مفکر مان کر اہمیت دیتا ہے۔ کچھ لوگ اقبال کو شاعر بھی مانتے ہیں اور مفکر بھی۔ اقبال کی شاعری میں ایک نصب العین سے وفاداری کا سبق ملتا ہے۔ پروفیسر آل احمد سرور کہتے ہیں:

> "اقبال کی شاعری اور ان کا شعری نظریہ ایک بلند نصب العین سے وفاداری کا ہے۔ اس بلند وفاداری اور اس کے تقاضوں کی وجہ سے ان کے نزدیک زندگی ایک مہم اور شاعری اس مہم کو سر کرنے کی ایک کنجی بن گئی"(۳)

بہت سے ایسے ناقدین کے حوالے ملتے ہیں جو اقبال کو شاعر، مفکر اور فلسفی تسلیم کرتے ہیں۔ اور ساتھ ہی یہ بھی نظر آتا ہے کہ اقبال نے اپنی شاعرانہ اور مفکرانہ دونوں حیثیتوں کو خود ہی تسلیم بھی کیا ہے۔ کہتے ہیں:

خرد نے مجھ کو عطا کی نظر حکیمانہ　　　سکھائی عشق نے مجھ کو حدیثِ رندانہ
مری نوائے پریشاں کو شاعری نہ سمجھ　　　کہ میں ہوں محرم رازِ درونِ میخانہ (۴)

اقبال کے وہ اشعار جو فلسفیانہ افکار و آرا کے متحمل ہیں ان میں شاعرانہ رنگ بھی ہے اور موسیقیت بھی ان میں نغمگی بھی ہے اور اظہار و ابلاغ کی نازک ترین لطافتیں بھی۔ ان حالات میں اسلوب کی اہمیت نہیں رہتی بلکہ موضوع زیادہ اہم ہو جاتا ہے۔ یہ بات تو درست ہے کہ ادب میں اسلوب کی اہمیت بہت زیادہ ہے۔ مگر اقبال کے نزدیک موضوع زیادہ اہم ہے۔ اقبال نے اسلوب کے باعث فنِ شاعری سے کبھی دلچسپی کا اظہار نہیں کیا۔ لیکن اگر حکیمانہ اور فلسفیانہ افکار کی تبلیغ و تفسیر کے لیے شاعرانہ اسلوب بہتر نظر آتا ہو تو شاعری سے پسندیدگی کا اظہار بھی کرتے ہیں۔ مگر اس کا مقصد بھی پیغام دینا ہی ہے۔ اس لیے اقبال واعظ بھی محسوس ہوتے ہیں اور یہ واعظانہ رنگ اسلوب پسندوں کو گراں گزرتا ہے۔ اقبال کے ہاں فکر و فن جب یکجا ہوتا ہے تو پیکر بن جاتا ہے۔ اس طرح اقبال کے ہاں پیکر تراشی کے کئی مرقعے بھی دیکھنے کو ملتے ہیں۔

یہ تو فکرِ اقبال کا ایک پہلو تھا مگر ہمیں یہ بھی یاد رکھنا چاہیے کہ اشعار کو خوبصورت بنانے کے لیے حسین الفاظ درکار ہوتے ہیں۔ فکر چاہے جو بھی ہو اسے دلکش انداز میں پیش کرنے کے لیے بھی فن کی ضرورت ہوتی ہے۔ یہی فن پڑھنے والوں کی زبان پر چڑھتا ہے۔ نغمگی پاتا ہے، سمجھ میں آتا ہے اور فکر بن جاتا ہے۔ اقبال نے اپنے اشعار کو خوبصورت بنانے کے لیے خوبصورت پیکر بھی تراشے اور مصوری بھی کی۔ اس کی مثالیں کثرت سے دیکھی بھی جا سکتی ہیں۔ وہ ہمیشہ اپنے اشعار کی اصلاح بھی کرتے رہے۔ ان میں شعر کہنے کی خداداد صلاحیت موجود تھی۔ ماہرینِ اقبال کہتے ہیں۔

> ”میرا خیال ہے کہ اقبال کے کلام کا ایک چوتھائی حصہ محض آورد کا نتیجہ ہے۔ یہ دوسری بات ہے کہ ایسے اشعار کو بھی آمد سمجھ لیا جائے۔ ورنہ اس چوتھائی کلام کو ذہن و فکر پر زور دے کر قلم بند کیا گیا ہے۔ چوں کہ اقبال کی طبیعت میں شعر گوئی کا ملکہ بدرجہ اتم موجود تھا اس لیے بھی کبھی کبھی ان کی یہ کیفیت عام قاری کو دھوکا بھی دے جاتی ہے۔ امر واقعہ یہ ہے کہ اقبال کی شخصیت بہت ہی تہ دار اور معنی خیز ہے۔ فکر و فلسفہ، شعر و فن، مقصد و پیغام کا ایسا حسین امتزاج ہے کہ اقبال کے علاوہ دوسری جگہ اس کی نظیریں بہت ہی مشکل سے ملتی ہیں۔ یہ اقبال کی عظیم المرتبت شخصیت کا کمال ہے۔ انہوں نے فلسفہ کی بے جان، خشک، منطقی استدلال و

مباحث کو شعر و فن کے نازک ترین مرقعوں میں پیش کر کے دونوں کو زندہ جاوید بنا دیا۔ فلسفۂ شعر کی یہ آمیزش اقبال کی فسوں کاریوں کی انفرادیت کی ضامن ہے"(۵)

ہمیں فکر اور سوچ کی راہوں پر پابندی نہیں لگانی چاہیے۔ اس سے تنقید اور تبصرے کے ساتھ انصاف نہیں کیا جا سکتا۔ نہ ہی ہمیں افہام و تفہیم کا رویہ اختیار کرنا چاہیے اور نہ ہی کوئی حکم صادر کرنا چاہیے۔ اقبال کی حمایت میں لکھنے والے مصنفین نے کہیں کہیں یہ رویہ اختیار بھی کیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ بہت سی تصانیف اقبال کی مدح سرائی میں لکھی گئی ہیں۔

فکرِ اقبال جہاں ارتقا کی منزلیں طے کرتی رہی وہاں زندگی کے مختلف افق بھی اس کے سامنے عیاں ہوتے رہے۔ ارتقا کے اس عمل میں کچھ ایسے مفکرین بھی سامنے آتے ہیں جن کے نظریات پر اقبال نے شدت سے تنقید کی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ نقادوں نے بھی فکرِ اقبال پر اور اقبال کے فکر میں تضاد پر خاص تنقید کی ہے۔ پروفیسر عبد الحق نے میکش اکبر آبادی کے دو مضامین کی بات کی ہے جن کا عنوان۔"علامہ اقبال کے متضاد نظریے" تھا۔ پھر ان مضامین کے جواب میں پروفیسر تاثیر اور غلام محمد بٹ نے مضمون لکھے اور ساتھ ہی بشیر مخفی القادری نے بھی تردیدی مضامین لکھے۔ ڈاکٹر مسعود حسین خاں نے بھی اس حوالے سے مضمون لکھا۔

اقبال انتہائی ذہین تھے تو حساس بھی تھے۔ خواجہ حافظ، عرفی، مرزا بیدل سب میں اقبال حرکت کا رویہ ضرور دیکھتے تھے۔ اگر انہیں ایسا کوئی رویہ نظر نہیں آتا تو وہ ان افراد سے برات کا اعلان بھی کرتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ چند نقاد اقبال کے فکر و فن پر سوالیہ نشان ڈالتے ہیں۔ کچھ نقاد کہتے ہیں کہ اقبال کے فکر و فن میں تضاد پایا جاتا ہے۔

فراق گورکھپوری تو فکر و فن کیا، اقبال پر تنقید میں حد سے ہی گزر گئے۔ فراق گورکھپوری عشقیہ شاعری میں تو باکمال ہیں مگر حقیقت یہ ہے کہ تنقید کا میدان، ان کی دسترس میں نہیں۔ ان کے نزدیک اقبال کے فکر میں حجاز کا غلبہ تھا۔ اقبال کی فکر میں عقاب، شاہین اور شہباز وغیرہ کو مرکزی اہمیت حاصل تھی۔ فراق گورکھپوری انہیں صرف سفاک جانور ہی سمجھتے تھے۔ ان کی بصیرت کبھی ان پرندوں کی بلند پروازی، درویشی تک پہنچ ہی نہیں سکتی تھی۔ اقبال کا شعر ہے۔

؎ جو کبوتر پر جھپٹنے میں مزا ہے اے پسر! وہ مزا شاید کبوتر کے لہو میں بھی نہیں (۶)

فراق گورکھپوری اقبال کے اس شعر سے خوفزدہ ہو کر شاید قبال کے فکر میں تضاد کا دعویٰ کرتے تھے۔ علی سردار جعفری کے نزدیک اقبال اور مسولینی کے نظریات میں مماثلت تھی یعنی دونوں جنگ کو لہو گرم رکھنے کا ایک

بہانہ سمجھتے تھے۔ علی سردار جعفری نے مسولینی کے جنگ کے رویے کو اقبال کے لہو گرم رکھنے کے رویے سے ملایا ہے۔ حیرت ہے علی سردار جعفری جیسا دانا و بینا ادیب مگر مسولینی اور اقبال کے فکر و فن میں فرق ہی نہ کر سکا۔

اختر حسین رائے پوری بھی اقبال کے فکر و فن کی گہرائی سمجھنے سے مکمل طور پر قاصر رہے اس لیے اِدھر اُدھر کی باتیں کہتے رہے۔ اختر حسین رائے پوری کے نزدیک مسولینی وہ شخص ہے جو اطالیہ کی بہبود کے لیے پوری دنیا کو فنا کر سکتا تھا، وہ سرمایہ داروں کا سپہ سالار تھا۔ اس کے لیے جنگ انسانیت کے لیے شیر مادر تھی۔ ایسا شخص انسان نہیں آمر ہوا کرتا ہے۔ اختر حسین رائے پوری کا خیال ہے کہ اقبال کے نزدیک ایسا آمر ہی اسلامی پاکستان کے استحکام کا ضامن ہے۔ اختر حسین رائے پوری نے ضد میں یہ بات کہہ دی۔ اس بات میں تحقیق و تنقید کے ساتھ مطالعہ کا فقدان نظر آتا ہے۔ علی سردار جعفری نے اقبال کے فکر و فن پر تضاد کے حوالہ سے کہا:

"وہ اپنی شاعری میں جس حسین و جمیل دنیا کی تشکیل کرنا چاہتے تھے ان کا فلسفہ اس دنیا کے تباہ کرنے والے افراد کی پیدائش میں مدد کرتا ہے"[(۷)]

درج بالا ماہرین نے اقبال کا فلسفۂ حرکت و عمل پسند نہیں کیا اور ان تحریروں سے لگتا ہے کہ اقبال کا فلسفہ مردِ مومن بھی شاید انہیں نہ بھایا۔ اگر فکرِ اقبال کا بغور مطالعہ کیا جائے تو اس میں ہر طرح سے توازن بھی ہے اور ہم آہنگی بھی۔ اقبال کے افکار و نظریات میں کہیں تصادم نظر نہیں آتا۔ یہ ہم آہنگی اتفاقی نہیں بلکہ با قاعدہ اس ہم آہنگی کو ترتیب دیا گیا ہے۔ اقبال کو ذہنی اور فکری بصیرت کا پورا احساس تھا۔

فراق گورکھپوری کا خیال مکمل طور پر باطل ہے۔ اقبال کے ہاں شاہین کی علامت خودداری، بلند پروازی، غیرت مندی، زمین سے بے تعلقی اور خلوت نشینی سے متصف ہے اس طرح اور بھی ہیں جیسے کُنجشک فرومایہ وغیرہ۔ اس طرح اقبال کے فکر و فن میں متضاد الفاظ اور شخصیات کا ذخیرہ ضرور ملے گا مگر اس کا مطلب یہ نہیں کہ اقبال کے فکر و فن میں بھی تضاد پایا جاتا ہو۔

اقبال نے اس قومیت کی بھی مخالفت کی ہے جو انسان کی تخلیق کردہ ہے۔ اس قومیت کی حدود بھی ہیں جن کی بنیاد علاقہ، جغرافیہ اور سیاست پر مشتمل ہے۔ اقبال قومیت کو زمین کی حدود میں قید نہیں کرنا چاہتے تھے بلکہ ساری زمین کو ایک قومیت اور تمام بنی نوع انسان کو ایک قوم سمجھتے تھے اور اس بنی نوع انسان کے لیے ایک مرکزِ محسوس کو بھی لازم قرار دیتے ہیں اور یہ مرکز مخصوص کرہ ارض پر ہی ہو سکتا ہے کہیں خلا میں نہیں۔ اقبال نے اپنی نظم و نثر میں اپنے تمام تر خیالات کا اظہار واضح طور پر کیا ہے۔ اقبال کا "شاعری ترک کرنے" کی بات کا یہ مطلب نہ لیا جائے کہ وہ

شاعری کی الف ب سے واقف نہیں۔ اقبال نے شاعرانہ رنگ میں بھی اپنے فکر و فلسفہ کا بخوبی اظہار کیا ہے اور اپنی نثر میں بھی۔ ہمیں اقبال کی شاعری اور اقبال کی نثر سے اقبال کی فکر کے ایک ایک سنگ ریزے کو سمیٹنا ہو گا۔

اقبال پر زندگی میں بھی تنقید ہوئی، مرنے کے بعد بھی یہ سلسلہ چلتا رہا۔ اگر دیکھا جائے تو اقبال کے فلسفۂ خودی کی اپنی اہمیت ہے۔ وہ لوگ جو اقبال کے مخالف تھے انہوں نے پراپیگنڈا شروع کر دیا کہ اقبال کی خودی پر عمل پیرا لوگ جنگ و جدل کے عادی ہوتے ہیں۔ مخالفین کے نزدیک وہ فاشسٹ اور آمر بن جاتے ہیں۔ حالانکہ اقبال کی خودی کا سب سے بڑا پیکر حضرت رسالت مآبؐ کی ذاتِ اقدس ہے۔ اقبال کی نظر میں یہی ذات تھی جو خودی اور بے خودی کی تمام تر صفات سے متصف تھی اور انسان کامل کی سب سے بڑی مثال ہے۔ اقبال مردِ مومن کی جو صفات بیان کرتے ہیں انہیں اسرارِ خودی کے ان اشعار میں دیکھا جا سکتا ہے۔

ای سوارِ اشہب دوراں بیا ای فروغِ دیدۂ امکاں بیا
رونقِ ہنگامۂ ایجاد شو در سوادِ دیدہ ہا آباد شو
شورش اقوام راخاموش کن نغمۂ خود رابہشت گوش کن
از درعالم بیار ایامِ صلح جنگجویاں رابدہ پیغامِ صلح(۸)

اقبال اسے بلا رہا ہے جو زمانے کے گھوڑے پر سوار ہے جو کائنات کی آنکھوں کا نور ہے۔ وہی ذات ہے جو موجوداتِ عالم میں رونق پیدا کرے گی۔ وہی ذات ہماری آنکھوں کی ٹھنڈک ہے۔ دنیا میں قوموں نے جو ہنگامہ برپا کر رکھا ہے اس ہنگامے کو خاموش کر دے۔ اپنے نغمے کو انسانوں کے لیے جنت کی تازگی عطا فرما دے۔ بھائی چارے کا سُر چھیڑ۔ بھائی چارے کی فضا پھر سے عام کر دے۔ دنیا میں امن اور صلح کا ماحول عام کر دے۔ جنگجوؤں کو صلح کی طرف راغب کر دے۔ یہی انسان کامل کی خوبیاں ہیں یہ صفات پیدا ہوں گی تو وہ خودی کے بلند مقام تک جا پہنچے گا۔ اس طرح وہ خود کو ملت کے لیے قربان کر دے گا۔ اس طرح اقبال کا فلسفۂ بے خودی جنم لیتا ہے۔ مفکرین کہتے ہیں۔

> ”اقبال نے خودی کے ساتھ ساتھ بے خودی کو لازم قرار دیا ہے تا کہ فرد کی انا پورے معاشرے کو فنا نہ کر دے۔ فرد کی انا کو جماعت کی انا کے ساتھ ربط باہم کے رشتوں میں مضبوط کر دیا گیا ہے۔ تا کہ فرد کی انانیت آمر و جابر نہ بن سکے۔ ورنہ جماعت اور فرد دونوں تباہ ہو کر انسانیت کے لیے سوہان روح ہو جائیں گے۔ اقبال اس حقیقت سے واقف تھے اس لیے انہوں نے خودی کو بے خودی کا جزو لا ینفک قرار دیا ہے“(۹)

اقبال کے فلسفۂ عقل و عشق بھی گوناں گوں صفات سے مزیّن ہے۔ اس کی معرکہ آرائیاں دورِ قدیم سے ہی مشرق و مغرب میں جاری ہیں۔ اقبال عقل کے مقابلے میں عشق کو زیادہ اہمیت دیتے تھے مگر عقل کی عظمتوں سے بھی مکمل انکار نہ کرتے تھے۔ یہ فکر کا تضاد نہیں بلکہ خیال کی وسعت ہے۔ اقبال دونوں کو ایک دوسرے کے لیے لازم قرار دیتے تھے۔ عقل جب ترقی کی انتہائی منزل تک پہنچتا ہے تو اقبال کے نزدیک وہ عشق بن جاتا ہے۔ اس طرح فکرِ اقبال کے تفصیلی مطالعہ سے ہم اس نتیجہ پر پہنچتے ہیں کہ اس میں افکار کا تضاد یا عدم توازن نہیں بلکہ ارتقا ہے جو خاص توازن اور ہم آہنگی کے ساتھ جاری رہتا ہے۔

عشق کا تصور ایرانی اور عربی شعر اسے ماخوذ تھا مگر اقبال نے اسے جدید فکر و نظر عطا کی جس سے عشق کو نیا آہنگ میسر آیا۔ کچھ لوگ کہتے ہیں اقبال نے مملکت کا کوئی واضح تصور نہیں پیش کیا۔ یہ بات بالکل غلط ہے۔ اقبال کی تحریروں اور اشعار سے جو عکس نظر آتے ہیں ان سے یہ نقوش واضح طور پر دیکھے جاسکتے ہیں۔

اقبال نے قدیم علوم سے استفادہ بھی کیا اور جدید علوم کا مطالعہ بھی کیا۔ اس کے باوجود اقبال کے افکار کی افادیت اور انفرادیت اپنی جگہ قائم ہے۔ مثلاً اگر ہم ان کے خطبات کا جائزہ لیں تو اقبال نے اسلامی مفکرین کی پیدا کردہ موشگافیوں کا سنجیدگی سے حل پیش کیا ہے۔ اسلامی مفکرین یونان اور افلاطونی فلسفہ سے مرعوب نظر آتے ہیں۔ اس طرح فکرِ اسلامی فلسفۂ یونان کی پیدا کردہ نئی شکل بن کر سامنے آتی ہے۔ یوں توجیہات اور تاویلات کے گروہ در گروہ نظامِ فکر پیدا ہوگئے۔ اسلام کی صحیح صورت مسخ ہوگئی۔ پھر اقبال کا ارتقائی عمل پروان چڑھا اور یہی اقبال کی انفرادیت ہے۔ اس طرح اقبال کا ذہنی اور فکری توازن بھی دیکھا جاسکتا ہے جو ہر جگہ قائم ہے۔ خودی سے بے خودی ہو، عقل و عشق ہو، قومیت و بین الاقوامیت ہو، مشرق و مغرب ہو، جدید و قدیم اندازِ حیات ہو۔ یہ توازن ہر جگہ قائم ہے۔ اس لیے یہ کہنا کسی بھی طرح درست نہیں ہے کہ اقبال کے فکر میں توازن نہیں پایا جاتا۔ اگر اقبال کی فکری سرگزشت کا مطالعہ کریں تو ہم دیکھتے ہیں کہ وہ ارتقا کے مرحلوں سے گزرتی ہے اور ہمیں زندگی کی نئی راہیں دکھاتی ہے۔ اگر ایسا نہ ہو تو فکرِ اقبال جمود کا شکار ہو جائے اور جمود دراصل موت کی علامت ہے اور حرکت زندگی کا پیغام ہے۔ یہی حرکت اجتہاد کی ابتدا ہے اور اجتہاد ہی قوموں کی زندگی کے لیے ناگزیر ہوا کرتا ہے۔

اقبال کی فکری سرگزشت گوناگوں صفات سے لب ریز ہے۔ اس سرگزشت کے پیچ و خم کو سمجھے بغیر اقبال کے افکار و اشعار کا مقام یا ان کے سرچشموں کی نشان دہی مشکل ہے۔ اقبال کو ہر دور میں آزمائشوں سے گزرنا پڑا۔ ان کے نزدیک اس فکری سرگزشت کی روداد لوگوں کے لیے سبق آموز اور مفید ہے۔ اقبال کے جہاں دیگر منصوبے نامکمل رہے وہاں یہ منصوبہ بھی تکمیل تک نہ پہنچ سکا کہ وہ اپنی سرگزشت کو ترتیب دے سکیں۔ ان کے دوسرے دور کی

سر گزشت کے نتائج دور رس اور گہری معنویت کے حامل ہیں۔ یہ دور قیامِ یورپ سے ۱۹۱۱ء تک کا دور ہے۔ وہ جتنا عرصہ یورپ میں رہے تب تک بساطِ فکر متزلزل رہی۔ اقبال یورپ جا کر تعلیم حاصل کرنے کے لیے بے چین رہتے تھے۔ وہ ساز گار حالات کی تلاش میں تھے۔ سفر کے لیے کچھ رقم تو اقبال نے خود اکٹھی کر لی تھی اور پھر بڑے بھائی شیخ عبداللہ نے بھی معاونت فرمائی مشکلات کے وقت اقبال کے فکر و نظر کی صحیح تربیت میں ان کے بڑے بھائی نے قابل ذکر کردار ادا کیا۔ اقبال کے اس دور پر نگاہ ڈالیں تو کبھی کبھی اقبال عالمِ استغراق میں بھی نظر آئیں گے جسے دیکھ کر دوسرے حیرت زدہ ہو جاتے تھے۔ یہ اس دور کی بات ہے جب اقبال حافظ کے مداح تھے اور فکری طور پر بھی اس کے قریب تھے۔ کبھی کبھی تو ایسی حالت بھی دیکھنے کو ملتی ہے کہ اقبال خود حافظ شیرازی دکھائی دیتے ہیں۔ یہ ان دنوں کی بات ہے جب سعدی شیرازی کی روح اقبال میں حلول کر گئی تھی اور حافظ کی شاعری کے منفی پہلوؤں کے اثرات ابھی اقبال کے سامنے نہیں آئے تھے۔

قیامِ یورپ کی بات کریں تو اس مختصر قیام نے اقبال کے فکر میں جو سب سے بڑی تبدیلی پیدا کی وہ وطنیت کی مخالفت تھی۔ اقبال اس سے بہت بیزار تھے اور کبھی اس سے مفاہمت نہ کر سکے۔ اقبال نے اس وطنیت کو مغرب کا پُر فریب تصور کہا جس سے اقبال نے پہلے ہی بنی نوع انسان کو آگاہ کر دیا تھا۔ فکرِ اقبال میں زندگی کا نصب العین بھی یہی تھا۔ صرف اقبال ہی وہ ماہر اور اپنے مقصد سے مخلص ہے جس نے انسانی اتحاد کے لیے خلوصِ نیت کے ساتھ ساتھ شدید مزاحمت سے کام لیا۔ اس دور میں اقبال کی زندگی کا ہیجان انگیز دور بھی سامنے آتا ہے مگر اس دور میں بھی آپ کے فکر و فلسفہ پر کوئی منفی اثرات مرتب نہیں ہوتے اس دور میں آپ نے چند نظریات ایک ڈائری میں محفوظ بھی کیے جو بعد میں سامنے آئے۔ یہ اقبال کے فکر و فلسفہ کا جوہر ہیں۔

اقبال کی شخصیت، فکری سرگذشت اور تخلیق کے سرچشموں کے مطالعہ بہت ہی نتیجہ خیز اور دلچسپ ہے۔ اقبال کی فکری سرگذشت پر غور کرنا لازم ہے۔ انہیں زندگی کے مختلف ادوار میں مختلف ذہنی کیفیات سے گزرنا پڑا۔ ہماری ذمہ داری ہے کہ اقبال کی فکری سرگذشت کی نشاندہی کریں۔ اقبال کی سرگذشت صرف شاعری میں ہی نہیں دیگر تحریروں میں بھی بکھری پڑی ہے۔

اقبال کے فکر و فن کا اہم دور ۱۹۰۵ء سے ۱۹۱۱ء کا زمانہ ہے۔ اس کا درمیانی دور اقبال کے لیے بہت تکلیف دہ دور تھا۔ اس دوران انہوں نے زندگی کے بہت سے اتار چڑھاؤ دیکھے۔ گھریلو حالات بھی بہتر نہ تھے۔ دل کا سکون بھی نصیب نہ تھا۔ اقبال کا ابتدائی دور ۱۹۰۵ء یعنی یورپ جانے سے پہلے کا زمانہ ہے۔ دوسرا ۱۹۱۱ء تک جس میں قیامِ یورپ بھی شامل ہے اس دور کو توسیع دیتے ہوئے اسے ۱۹۱۴ء تک کیا جا سکتا ہے۔ ۱۹۱۲ء سے ۱۹۱۴ء تک بذاتِ خود ایک دور ہے۔ ۱۹۱۲ء

سے ۱۹۱۸ء تک کا زمانہ اسرار و رموز کا زمانہ ہے۔ اسے تیسرا دور قرار دیا جا سکتا ہے اور اس پر بحث علیحدہ توضیحات پر مشتمل ہونی چاہیے۔ ہم یہاں صرف دوسرے دور کو سامنے رکھتے ہیں۔ یورپ میں تین سال کا مختصر قیام پھر واپسی اس دوران اقبال کے ذہن میں کیا تلاطم برپا تھا۔ یہ سمجھنے کے لیے چار ماخذ بیان کیے جا سکتے ہیں۔ پہلا مآخذ ان کتب کو قرار دیا جا سکتا ہے جو اقبال کی سوانح سے متعلق ہیں۔ سب سے مستند بیگم عطیہ کی ڈائری ہے۔ دوسرا مآخذ اس دور کی شاعری ہے۔ تیسرا مآخذ عطیہ فیضی کو لکھے گئے نجی خطوط ہیں۔ جن میں عجیب و غریب کیفیات قلم بند ہیں۔ چوتھا مآخذ اقبال کی اپنی ڈائری ہے۔ جسے ڈاکٹر جاوید اقبال نے ۱۹۶۱ء میں Stray Reflections کے نام سے شائع کرایا ہے۔ اس کا اردو ترجمہ پاکستان سے ڈاکٹر افتخار احمد صدیقی نے ۱۹۷۳ء میں "شذراتِ فکرِ اقبال" کے عنوان سے پروفیسر عبد الحق نے اضافے کے ساتھ ہندوستان سے "بکھرے خیالات" کے نام سے چار مرتبہ اور میاں ساجد علی نے پاکستان میں "منتشر خیالاتِ اقبال" کے نام سے شائع کیا ہے۔

علم کی پیاس کا احساس اقبال کے یہاں ہر دور میں نمایاں دکھائی دیتا ہے۔ اقبال نے کیمبرج یونیورسٹی کے ٹرینی کالج میں داخلہ لیا۔ اقبال یورپ گئے تو مستشرقین اساتذہ نے فارسی ادب، تصوف اور مولانا روم کے گہرے مطالعے کی طرف اقبال کو راغب کیا۔ اس سے اقبال کے فکر و شعور پر دیرپا نقش ثبت ہوگئے۔ یورپ میں اقبال علمی کاموں کے ساتھ ساتھ سیاسی اور اصلاحی کاموں میں بھی دلچسپی لیتے دکھائی دیتے ہیں۔ اس طرح وہ حالات کے نبض شناس اور خاموش مدبر بھی بن گئے۔ یورپ کے مختصر قیام کے دوران وہ جہاں فطرت کے مناظر سے متاثر ہوئے وہاں انسانی حسن سے بھی متاثر دکھائی دیتے ہیں۔ اور اس حسن کو فکر و فلسفہ سے ہم آہنگ کر لیتے ہیں کہ ہر چیز فنا ہونے والی ہے۔ وہ بتاتے ہیں کہ حسن کی بھی حقیقت کیا ہے؟

ہوئی ہے رنگِ تغیر سے جب نمود اس کی　　　وہی حسیں ہے حقیقت زوال ہے جس کی (۱۰)

بات آگے بڑھتی ہے۔ اقبال کے فکر و نظر میں ہنگامہ برپا ہو جاتا ہے۔ اقبال کے ارد گرد افراد تو ہیں مگر اقبال خود کو تنہا محسوس کرتے ہیں۔ تنہائی کا شکار ہیں۔ اقبال کے سوز و ساز میں شدت پیدا ہو جاتی ہے۔ ان کی نگاہِ بصیرت نے دیکھ لیا خاموشی ٹوٹ گئی۔ ریت کے تودے پر کھڑی مغرب کی بودی اور کمزور تہذیب سب سے پہلے ہدفِ ملامت بنتی ہے۔ اس طرح مغربی تہذیب پر تنقید کا آغاز ہوتا ہے۔ اس طرح آپ ایک پیام بر بن گئے۔ یورپ میں قیام کے دوران شاعری ترک کرنے کا ارادہ کیا۔ مگر وہاں کے اساتذہ نے روک دیا اور شاعری کو وسیلۂ اظہار بنانے کا مشورہ دیا۔

اقبال نے اپنی شاعری سے حرکت و عمل کا پیغام بھی دیا۔ اقبال نے پورے یورپ میں دیکھا کہ وہاں اسلاف کی گراں قدر اور علمی میراث محفوظ ہے۔ جرمنی جا کر اقبال پر علم و دانش کے نئے در کھلتے ہیں۔ اپنے مقالے کی تیاری کے دوران علم کی نئی راہیں کھلتی ہیں۔ غرضیکہ یورپ قیام کے دوران اقبال نے علم کے حصول میں شدید محنت اور لگن سے کام لیا۔ یورپ سے واپس آئے تو اقبال کی ذہنی کشمکش میں اضافہ ہوتا گیا۔ وہ پہلی بیوی سے مطمئن نہ تھے لیکن رسم و رواج کے بندھن توڑنا اتنا آسان نہ تھا۔ عطیہ فیضی کو بار بار خط لکھ رہے ہیں۔ اپنی زندگی کے حالات کا قصہ بیان کر رہے ہیں۔ ایک طرف طبیعت میں ایسا طوفان برپا ہے کہ ایک پل کو چین نہیں۔ اقبال نے خطوط میں لکھا ہے کہ میں پہلی شادی سے مطمئن نہیں۔ اقبال جس بیوی کو ساتھ رکھنا چاہتے تھے اس کا تعارف کچھ یہ ہے۔

"یہ مقدس بیوی سرزمینِ حجاز میں پیدا ہوئیں اور دس سال تک اپنے والد بزرگ کے ہمراہ وہیں قیام پذیر رہیں۔ اور بارہا انہیں حج کرنے کا شرف حاصل ہوا۔ ان بیوی کی اور علامہ کی خوشدامن کی دوسری زبان عربی تھی۔ ماں بیٹیاں بے تکان عربی بولتی تھیں۔ قابل باپ نے شریفانہ پردہ کی قید کے اندر دینی تعلیم کے زیور سے اپنی بیٹی کو خوب آراستہ کیا تھا یہ بیوی صبر و شکر اطاعت گذاری اور سلیقہ شعاری میں اپنا جواب نہ رکھتی تھیں۔ ان کا نام نامی کریم بی بی تھا"[11]

حافظ سید حامد جلالی کی کتاب علامہ اقبال کی ازدواجی زندگی کا مطالعہ کریں تو اس میں کہیں کہیں ایسا محسوس ہوتا ہے کہ یورپ قیام کے دوران اقبال عطیہ فیضی سے بہت متاثر ہوئے۔ یہ عطیہ فیضی ہی تھی جو اقبال کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر وجدانی کیفیت سے دنیاوی کیفیت میں واپس لانے کی جرات کر سکتی تھی۔ اس دور میں اقبال کے ذہن پر بھی عطیہ فیضی ہی چھائی ہوئی تھی۔ اور اس کیفیت سے نکلنے میں اقبال کو کچھ وقت ضرور لگا۔ اس کے باوجود اقبال فکر و فلسفہ کی تبلیغ میں موثر کردار ادا کرتے رہے۔

اقبال کی سرگذشت کے اس دور میں سیاست کے میدان میں بھی اقبال کے متحرک ہو جانے کی نشانیاں نظر آتی ہیں۔ تقسیم بنگال ہو یا ترکی کی خلافت، اقبال کی نظر سب پر تھی۔ ان تمام حالات کے باعث فکرِ اقبال نے اپنا راستہ متعین کر لیا تھا۔ نظموں کی شکل میں اقبال اپنے خیالات کا اظہار کیے جا رہے تھے۔

اسلام سے اقبال کا تعلق جذباتی نہیں۔ اسلام کو اقبال چراغِ راہ گزر قرار دیتے ہیں۔ اقبال نے دردناک نظمیں لکھ کر لوگوں کے دلوں میں اسلام کا جذبہ بیدار کیا۔ اقبال کے مآخذ میں اقبال کی ڈائری کو بھی بہت اہمیت حاصل ہے۔ اس میں بہت سی فلسفیانہ سرگوشیاں موجود ہیں۔ اقبال کا ذہن ہر دور میں حقائق کے ادراک میں مصروف رہتا تھا۔ وہ سماجی بہبود سے بھی بے خبر نہ تھے۔ پروفیسر عبدالحق لکھتے ہیں۔

"فکرِ اقبال سماجی بہبود کے مختلف نظام اور ان کے طریق ہائے فکر پر بھی متوجہ ہے۔ قومیت کے علاوہ وجودِ باری تعالیٰ، طرزِ حکومت، سرپرستی، اقوام، جدید سائنس اور جمہوریت، سفید فام کا ہار، اقلیتوں کی طاقت، جمہوریت اور شہنشاہیت وغیرہ موضوعات ہیں۔ ان کی فکر کے مرکزی دھارے کی رفتار اور رخ کا پتا چلتا ہے"(۱۲)

اس کے بعد کا دور دیکھیں تو فکر دوراہوں پر چلتی نظر آئے گی۔ کہیں متوازی اور کہیں مخالف۔ یہ بھی اقبال ہی کا فن ہے۔ ۱۹۱۰ء میں ترکِ شعر کے لیے آمادہ ہیں اور بیاض میں شعرا کی تعریف کے پل باندھے جارہے ہیں۔ اس کے بعد آخری دور میں ہیجان کی کیفیت دور ہوتی ہے۔ دوسری شادی سے زندگی میں سکون آتا ہے۔ والدہ جاوید سے پہلے لدھیانہ میں تیسری شادی ہوئی۔ پھر کچھ دنوں بعد غلط فہمیاں دور ہوئیں تو سردار بیگم بھی گھر آگئیں۔ اس طرح اقبال زندگی کے میدان میں رواں دواں رہے۔ اپنی شاعری اور نثر کے ذریعے امتِ مسلمہ کو بیدار کیا۔ ہندوستان کے باسیوں نے اس آفتاب کی ضو سے اپنے وطن کو روشن کیا۔ پاکستان کے باشندے اپنے لیے راہنمائی حاصل کرتے ہیں۔ کسی ایک کا کوئی قبضہ نہیں بلکہ اگر کوئی قبضہ کرے اور اقبال کو اپنا کہے تو سمجھ لو کہ وہ اقبال کو محدود کر رہا ہے۔ اقبال سب کے لیے ہے۔ اقبال کا فکر و فلسفہ سب کے لیے ہے۔ اقبال کے فکر و فلسفہ میں ارتقا مختلف ادوار میں آتا رہا جس کے چار مآخذ بیان کیے گئے ہیں۔ اقبال کی سرگذشت کا مطالعہ اقبالیات کے قاری کو فکرِ اقبال کے نکات پر تحقیق و تنقید کی دعوت فراہم کرتا ہے۔ اس طرح فکرِ اقبال کے دامن میں وسعت پیدا ہو گی اور اقبالیات کی راہیں کشادہ ہوں گی۔

حوالہ جات

۱۔ اقبال، تشکیل جدید الہیات اسلامیہ، مترجم، سید نذیر نیازی، لاہور: بزم اقبال۔ ۲ کلب روڈ، اشاعت پنجم ص ۳۶

۲۔ بٹالوی، عاشق حسین، اقبال کے آخری دو سال، لاہور: سنگ میل۔ پبلی کیشنز، ۲۰۰۹ء صفحہ ۱۷

۳۔ سرور، آل احمد، پروفیسر، اقبال کا نظریہ شعر اور ان کی شاعری، نئی دہلی: مکتبہ جامعہ لمیٹڈ، جنوری ۱۹۹۹ء ص ۸

۴۔ اقبال، کلیات اقبال اردو، بال جبریل، غزل ۲۸، ص ۳۸۱

۵۔ عبدالحق، پروفیسر، اقبال کے ابتدائی افکار، فکری سرگزشت، دہلی: جمال پرنٹنگ پریس، نقش اول ۱۹۶۹ء مارچ ص ۲۷

۶۔ اقبال، کلیات اقبال اردو، بال جبریل، نصیحت، ص ۴۴۸

۷۔ عبدالحق، پروفیسر، اقبال کے ابتدائی افکار، فکری سرگزشت، ص ۳۵

۸۔ اقبال، اسرار خودی، ترتیب، شائستہ خان، فراموش شدہ، ایڈیشن، نئی دہلی: مکتبہ جامع لمیٹڈ، پہلی بار فروری ۱۹۹۳ء، ص ۸۶

۹۔ عبدالحق، پروفیسر، اقبال کے ابتدائی افکار، فکری سرگزشت، ص ۵۱

۱۰۔ اقبال، کلیات اقبال اردو، بانگ درا، حقیقت حسن، ص ۱۳۸

۱۱۔ حامد جلالی، حافظ، سید، علامہ اقبال کی ازدواجی زندگی، دہلی: ایجوکیشنل پبلشنگ ہائوس، ۱۹۹۸ء ص ۱۲۴

۱۲۔ عبدالحق، پروفیسر، تنقید اقبال اور دوسرے مضامین، ص ۵۳

References in Roman Script:

1. Iqbal, Tashkeel jaded ilahiyat e islamia, mutarjam, syed Nazir Niazi, Bazm e Iqbal Lahore, ishaat punjam, p,36
2. Batalwi, ashiq hussain, Iqbal ky akhri do saal, sung e meel, Lahore, 2009, p,17
3. Suroor, Aal ahmed, professor, aqbal ka nazria e she'r aur un ki shayari, maktaba jameya Limited, dehli, 1999, p,8
4. Iqbal, kuliyat e Iqbal urdu, baal e jibreel, p,381
5. Abdul haq, professor, Iqbal k ibtidai afkaar, fikri sar guzasht, jamal printing press, dehli, naqsh awal, 1969, p,27
6. Iqbal, kuliyat e Iqbal urdu, baal e jibreel, p,448
7. Abdul haq, professor, Iqbal k ibtidai afkaar, fikri sar guzasht, p35
8. Iqbal, asraar e khudi, muratab shaista Khan, maktab e jameya dehli, 1993, p86
9. Abdul haq, professor, Iqbal k ibtidai afkaar, fikri sar guzasht, p51
10. Iqbal, kuliyat e Iqbal urdu, bang e dara, p138
11. Hamid jalali, Hafiz, syed, allam Iqbal ki azdwaji zindgi, educational paublishing house, dehli, 1994, p124
12. Abdulhaq, professor, tanqeed e Iqbal awr dusray mazameen, p53